© rasailojaraid.com

کتاب وحکمت

افادات: حافظ ابن قیم جوزیؒ
تحریر: مولانا عبدالغفار حسن

سورۂ فاتحہ کے بعض اہم تفسیری نکات

سورۂ فاتحہ کئی اہم اور بنیادی مسائل کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ کے تین نام بیان ہوئے ہیں جو کہ تمام اسماءِ حسنہ اور صفاتِ الٰہیہ کے مرکز ومحور قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ وہ تین اسماء یہ ہیں: اللہ، ربّ اور رحمٰن۔

یہ سورت الوہیت، ربوبیت اور رحمت کا مظہر ہے۔ الوہیت کا مفہوم ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ سے واضح ہوتا ہے۔ ربوبیت ﴿إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ میں پنہاں ہے اور صفت ِرحمت ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ سے آشکار ہوتی ہے۔ پھر لفظ 'حمد' ان تینوں اسماء پر حاوی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنی اُلوہیت، ربوبیت اور رحمت میں محمود اور قابل ستائش ہے۔

اس سورت میں آخرت، جزا وسزا، اللہ تعالیٰ کے اس دن حاکم مطلق ہونے اور عدل کے ساتھ فیصلہ کرنے کا تصور بھی دیا گیا ہے جو کہ آیت ﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ سے واضح ہے۔

اس سورت میں نبوت ورسالت کا اثبات بھی مختلف پہلوؤں سے کیا گیا ہے:

اوّلاً: اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کا رب ہے[1]۔ وہ اپنے بندوں کو دنیوی اور اُخروی مصالح بتائے بغیر نہیں چھوڑ سکتا۔ اس کی صفت ِربوبیت کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو ان تمام چیزوں سے آگاہ کرے

۱۔ یعنی ان کو لاتعداد نعمتوں سے پرورش کرنے والا ہے جن میں سے سب سے اعلیٰ وارفع نعمت قرآن اُتارنا، رسولوں کا بھیجنا اور اپنے بندوں کو نورِ ہدایت اور علم وحکمت سے سرفراز کرنا ہے اور اسی کی ذات اپنے علم، حکمت اور قدرت سے تمام جہانوں کی تدبیر کئے ہوئے ہے۔ اسی کی ذات حکیم وخبیر ہے اور اپنے تمام بندوں پر غالب ہے۔ اس کی ذات آسمان اور زمین کو مسخر کئے ہوئے ہے اور وہی اپنی قدرت سے زمین وآسمان کی کچھ چیزیں انسان کی نشوونما کے لئے مسخر کردیتا ہے تاکہ وہ ترقی کے درجات طے کرتے ہوا انسانیت کے درجہ کمال تک پہنچ سکے اور ربّ کی نعمتوں اور اس کی بے پناہ رحمت کو یاد کرکے اس کا شکر بجالاتا رہے۔

اس کے ساتھ ساتھ آیاتِ کونیہ میں سوچ بچار اور آیاتِ علمیہ میں غور وتدبر کرتے ہوئے اپنی روحانیت کیلئے تزکیہ وتصفیہ کا سامان بہم پہنچاتا رہے۔ اس کی محبت اور لگاؤ کا مرکز صرف خدا ہی کی ذات ہو کہ جس نے اپنے بے پناہ احسانات اور نعمتوں سے اسے نوازے رکھا اور دنیا وآخرت میں پاکیزہ زندگی عطا کی۔ تمام بندے اس لحاظ سے صرف اسی کے محتاج ہیں اور صرف خدا ہی ایک بے نیاز ہستی ہے۔ عبودیت کے ان مظاہر کے ساتھ ایک مخلص بندہ برابر کمالات کے زینے طے کرتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اعلیٰ علیین میں نیکوکاروں کے ساتھ جگہ پاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس کی توفیق دے، آمین!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ایسا نہ ماننے کی صورت میں اس کی اس صفتِ ربوبیت پر حرف آتا ہے۔

ثانیاً: ''اللہ'' کا لفظ ہی اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ بس اسی کی ذات ہی قابل عبادت ہے اور ظاہر ہے کہ بندے اس کی عبادت کا طریقہ اسی کے بھیجے ہوئے رسولوں کے سوا اور کسی ذریعہ سے جان نہیں سکتے۔

ثالثاً: لفظ 'رحمٰن' اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اس کی صفتِ رحمت اپنے بندوں کو بے سہارا چھوڑ دینے اور کمال تک پہنچنے کے ذرائع سے بے خبر رکھنے کے منافی ہے۔ جو شخص لفظ 'رحمٰن' کی حقیقت جان لیتا ہے، اس سے یہ بات مخفی نہیں رہتی کہ اس کی صفتِ رحمت بارش کے برسانے، پودوں کے اُگانے اور بیج کے نکالنے سے زیادہ انبیاء کے بھیجنے اور کتبِ سماویہ کے اُتارنے کی مقتضی ہے۔ جسم سے زیادہ روح رحمت خداوندی کی محتاج ہے۔ جن لوگوں کے دل و دماغ پر پردے پڑ چکے ہیں، وہ اس لفظ سے صرف جانوروں اور چوپاؤں کی زندگی ہی اخذ کرتے ہیں لیکن اہل فکر و دانش اصل حقیقت کی تہ تک پہنچتے ہیں۔

رابعاً: ﴿يَوْمِ الدِّينِ﴾ کے لفظ سے ظاہر ہے کہ یہ وہ دن ہے جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کے اعمال کی جزا و سزا دے گا۔ انہیں ان کی نیکیوں پر ثواب اور برائیوں پر سزا دے گا لیکن اللہ تعالیٰ کسی پر حجت قائم کرنے سے پہلے گرفت نہیں کرتا اور یہ حجت اس نے اپنے رسول اور کتابیں بھیج کر قائم کر دی ہے اور انہیں کی آمد کے بعد اس دن کی نوبت آئے گی کہ تمام نیکوکاروں کو نعیم ابدی سے نوازا جائے گا اور تمام گنہگاروں کو دوزخ میں دھکیل دیا جائے گا۔

خامساً: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادت وہی ہوسکتی ہے جس سے اللہ خود راضی ہو۔ جہاں تک اس کے شکر بجالانے، اس سے محبت رکھنے اور اس کی خشیت طاری کئے رکھنے کا تعلق ہے تو عبادت کا یہ مفہوم معقول ہے۔ لیکن عبادت کے اصل طریقے کی معرفت اس کے رسولوں کے بغیر معلوم نہیں ہوسکتی۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ عقل سلیم رسولوں کے بھیجے جانے کو اسی طرح تسلیم کرتی ہے جس طرح کہ خود اللہ تعالیٰ کے وجود کو۔ اسی لئے رسول کا انکار کرنے والا درحقیقت رسول کا منکر نہیں ہوتا بلکہ مرسل یعنی اللہ تعالیٰ کا بھی منکر ہوتا ہے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے رسول پر ایمان نہ لانے کو خدا پر ایمان نہ لانے کے ہم معنی قرار دیا ہے۔

سادساً: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ کے جملے سے پتہ چلتا ہے کہ ہدایت، بیان اور رہنمائی کا نام ہے جس کے بعد توفیق الٰہی اور الہام کا درجہ آتا ہے۔ بیان اور رہنمائی کا حصول رسولوں ہی کے واسطے سے ہوسکتا ہے اور ایسا ہونے کے بعد خدائی توفیق شامل حال ہو جاتی ہے۔ ایمان دل میں جاگزین ہو کر اسی کا ایک جزو بن جاتا ہے۔

درحقیقت یہ دو الگ الگ ہدایتیں ہیں جن کے بغیر دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی حاصل نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوسکتی اور ان کے حصول کے بعد انسان حق کے مدارج کو تفصیلی طور پر جان لیتا ہے اور کھلے وچھپے اسی کا ہورہتا ہے۔اس کے تمام اعمال، تمام ارادے، تمام اقوال تا حیات دائرہ حق سے باہر نہیں نکلتے۔

یہاں اس بات کی ضرورت بھی معلوم ہوتی ہے کہ انسان کو ہر حال میں ہدایت پانے کی دعا کیوں کرتے رہنا چاہیئے اور رکھنے والوں کے اس قول کا بودا پن بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہم ہدایت یافتہ ہوتے ہوئے بھی ہدایت کے طلبگار کیوں رہیں؟

وہ اس طرح کہ ہمارے علم میں آئی ہوئی حق باتوں کے مقابلہ میں ایک بڑا حصہ ہمارے لئے نامعلوم ہے۔اور ایسی باتوں کا تو شمار ہی نہیں جنہیں ہم مجمل طور پر جانتے ہیں لیکن تفاصیل سے بے خبر ہیں۔الغرض ہم مکمل ہدایت کے محتاج ہیں۔یہ تمام اُمور کسی کو حاصل ہو بھی جائیں تو اس کا ہدایت کے لئے سوال کرنا ہدایت پر قائم ودائم رہنے کے لئے ہوتا ہے۔

ہدایت کا سب سے آخری مرتبہ قیامت کے دن جنت تک پہنچنے کے لئے پل صراط کو بآسانی پار کرنے کی ہدایت مانگنا ہے۔اسی لئے جس شخص کو دنیوی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسولوں اور کتابوں کی معرفت صراطِ مستقیم کی ہدایت حاصل ہوگئی وہ یقیناً آخرت میں پل صراط کا رستہ بھی پالے گا اور جس قدر وہ اس دنیا میں خدا کے بتائے ہوئے سیدھے راستے پر ثابت قدم رہا ہوگا، اسی قدر آخرت میں جہنم کے اوپر قائم کیئے ہوئے پل صراط پر بھی وہ ثابت قدم رہے گا اور جس تیزی سے وہ دنیا میں اس راستے کے نشیب وفراز سے گزرتا چلا گیا تھا، اسی تیزی سے وہ پل صراط بھی پار کرلے گا۔کئی تو ایسے ہوں گے جو بجلی کی طرح اسے پار کرجائیں گے اور کئی آنکھ جھپکنے کے وقفہ میں، کئی ہوا کے ایک جھونکے کی طرح تو کئی سواری کی مانند، کئی دوڑتے نظر آئیں گے تو کئی معمولی چال چلتے ہوئے، کئی گھٹنوں کے بل چلتے ہوں گے تو کئی لنگڑاتے ہوئے اور کئی بیڑیاں پہنے ہوئے رینگتے نظر آئیں گے۔

غرضیکہ بندہ اس دنیا میں اپنی چال ڈھال سے آخرت کے ان مراحل کا بآسانی اندازہ کرسکتا ہے اور یہی عادلانہ فیصلہ ہے:﴿هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (النمل:۹۰)

''تمہارے کیئے کا بدلہ ہی تمہیں دیا جائے گا۔''

بندے کو یہ دیکھتے رہنا چاہیئے کہ وہ کون سے شکوک وشبہات ہیں جو اس دارِ فانی میں اس کے رستے کی آڑ بنے ہوئے ہیں کیونکہ یہی بندھن قیامت کے دن پل صراط کے دونوں طرف آہنی کنڈوں کی طرح اسے نوچتے اور آڑے آتے دکھائی دیں گے:﴿وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيْدِ﴾ (فصلت:۴۶)

''اور تیرا ربّ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں''

الغرض طلبِ ہدایت ہر خیر کے حصول اور ہر شر سے سلامتی کو سموئے ہوئے ہے۔

سابعاً: نفس مسئول یعنی صراطِ مستقیم کی معرفت سے پتہ چلا کہ ایک رستہ 'صراط' تب ہی ہوسکتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جبکہ اس میں یہ پانچ اُمور پائے جائیں: استقامت، منزلِ مقصود تک پہنچانا، اس کا قریب ہونا، گزرنے والوں کے لئے اس کا کافی وسیع ہونا، منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے اس کا تعین ہونا۔ لفظ صراط میں یہ پانچوں باتیں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔

اس کی صفت استقامت سے اس کا قریب ہونا سمجھ میں آتا ہے کیونکہ خطِ مستقیم دو نقطوں کے درمیان قریب ترین خط مانا گیا ہے۔ ذرا سا بھی ٹیڑھا پن اسے لمبا کرنے کے لئے کافی ہے۔ اس کی صفت استقامت سے اس کا منزل مقصود تک پہنچانا ظاہر ہوتا ہے اور پھر اس کا تمام خلائق کے لئے نصب کیا جانا اس کی وسعت و ہمہ گیری کا تقاضا کرتا ہے اور اس کا یہ وصف کہ یہ رستہ انعام کئے گئے لوگوں کا ہے، گمراہ اور مغضوب علیہم کا نہیں، اس بات کا یقین کرتا ہے کہ یہ راستہ ہی درحقیقت سیدھا اور سچا راستہ ہے۔

صراط کی اضافت کبھی اللہ کی طرف جاتی ہے کیونکہ وہی اس کا نصب کرنے والا ہے جیسا کہ فرمایا گیا: ﴿وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا﴾ ''اور یہ میرا سیدھا راستہ ہے'' ایک دوسری جگہ فرمایا: ﴿وَإِنَّكَ لَتَهْدِيْ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ صِرَاطِ اللّٰهِ﴾ ''اور (اے رسولؐ!) تم اللہ کے سیدھے راستے کی طرف بلاتے رہو'' اور کبھی اس کی اضافت بندوں کی طرف جاتی ہے جیسا کہ سورۂ فاتحہ میں بیان ہوا اور یہ اس لئے کہ بندے ہی اس پر چلیں گے، انہی کے لئے وہ نصب کیا گیا اور وہی اس پر گزرنے والے ہیں۔

ثامناً: منعم علیھم کے ذکر اور مغضوب علیھم اور ضالین کے گروہ سے انہیں ممیز کرتے ہوئے...... لوگ حق کی معرفت اور اس پر عمل کرنے کے لحاظ سے ان تین فرقوں میں تقسیم کئے گئے ہیں اور وہ اس طرح کہ انسان یا تو حق کی معرفت رکھتا ہوگا یا نہیں اور پھر حق کی معرفت رکھنے والا یا تو اس پر عامل ہوگا یا اس کا مخالف ہوگا۔

کوئی بھی مکلّف فرد ان تین اقسام سے باہر نہیں ہوسکتا۔ اس لئے حق کی معرفت رکھنے والا عالم باعمل شخص منعم علیھم کے گروہ میں سے ہے۔ یہ شخص مفید علم اور نیک عمل کے ساتھ اپنے نفس کا تزکیہ کرتا رہتا ہے: ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا﴾ (الشمس:۹) ''جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا، وہ کامیاب ہوگیا''

حق کی معرفت رکھنے والا عالم لیکن عمل سے محروم ہوائے نفس کا تابع شخص 'مغضوب علیہم' کی فہرست میں داخل ہوتا ہے۔ رہا حق کی معرفت سے کورا شخص تو اس کا شمار 'ضالین' (گمراہوں) میں ہوگا۔ مغضوب علیہ شخص عمل کی ضلالت (گمراہی) کے باعث ضال بھی ہے اور ضال شخص عمل کی راہ دکھانے والے علم سے محرومی کے باعث مغضوب علیہم میں بھی شمار ہوتا ہے۔ غرضیکہ ان دونوں میں سے ہر ایک پر ضال اور مغضوب علیہ کا وصف صادق آتا ہے۔ الا یہ کہ معرفتِ حق کے بعد عمل میں کوتاہی کرنے والا غضب کا زیادہ مستحق ہے۔ اسی لئے یہود کے بیان میں بار بار اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہوا:

﴿بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖ أَنْفُسَهُمْ أَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا أَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فَضْلِهِ عَلٰى مَنْ يَشَآءُ مِنْ عِبَادِهِ فَبَآءُوا بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ﴾ (البقرة:٩٠)

''انہوں نے اللہ کے اُتارے ہوئے (اوامر ونواہی) کے انکار کو اپنی جانوں کے بدلے خرید کر کیا ہی برا سودا کیا ہے۔ صرف اپنی اس سرکشی کی بنا پر کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل خاص سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے (وحی) اُتارتا ہے، اس لئے وہ خدا کے غضب پر غضب کا شکار ہوئے''

اور ایک جگہ اِرشاد ہوا:

﴿قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ؟ مَنْ لَعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ أُولٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّأَضَلُّ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيْلِ﴾ (المائدة:٦٠)

''کہہ دیجئے کہ کیا میں تمہیں بارگاہ ایزدی میں اس سے بھی زیادہ شرانگیز سزا (پانے والوں) کے متعلق بتاؤں؟ وہ لوگ جو اللہ کی لعنت اور غضب کے مستحق ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کچھ کو بندر، سور اور عباد باطل بنا ڈالا، یہ لوگ سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے، بدترین جگہ والے ہیں''

حق سے ناآشنا، لقب ضال کا زیادہ مستحق ہے۔ اس لئے اس آیت میں نصاریٰ کو اس لقب سے یاد کیا گیا:

﴿قُلْ يٰاَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْا اَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَضَلُّوْا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيْلِ﴾ (المائدة:٧٧)

''کہہ دیجئے: اے اہل کتاب! سوائے حق بات کے اپنے دین میں تجاوز نہ کرو اور نہ ہی ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی کرو جو پہلے خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا اور سیدھے راستے سے بھٹکتے رہے''

اس آیت میں خطاب نصاریٰ سے ہے جنہیں یہود کی پیروی سے منع کیا گیا ہے۔

ترمذی اور صحیح ابن حبان میں حضرت عدی بن حاتم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''یہود مغضوب علیھم ہیں اور نصاریٰ ضالین''

منعم علیھم وہ لوگ ہیں جنہیں معرفتِ حق حاصل ہوئی، پھر وہ اس پر عمل پیرا ہوئے اور مغضوب علیھم وہ جو کہ حق جان لینے کے بعد بھی اپنی خواہشات کے تابع رہے اور ضالین جو کہ حق سے ناآشنا رہے۔ ان تینوں اقسام کے ذکر سے بھی رسالت اور نبوت کا ثبوت ملتا ہے کیونکہ واقعہ یہی ہے کہ لوگ ان تین فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں اور درحقیقت رسالت ہی اس تقسیم کا باعث ہوئی ہے۔ ☆☆

نوٹ: چند برس قبل سورۃ فاتحہ کے آخری نصف پر علامہ ابن قیم کے بعض تفسیری اجزا کا مولانا عبدالغفار حسن نے ترجمہ کیا تھا اور یہ تفسیری نکات ۱۹ رسوالات کی صورت میں محدث کے اکتوبر اور نومبر ۱۹۹۵ء کے دوشماروں میں ۲۸ صفحات میں دو اقساط میں شائع ہوئے تھے۔ مکمل استفادہ کے لئے ان مضامین کا مطالعہ بھی فرمائیں۔ (حسن مدنی)

© rasailojaraid.com